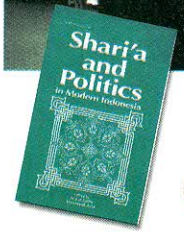

جدید انڈونیشیا میں

شریعت وسیاست

ایک اہم کتاب کا مطالعہ

ریاستی وسیاسی امور میں اسلام کا کردار، ان چند موضوعات میں سے ایک ہے جن پر معاصر عالم اسلام میں شد ومد کے ساتھ بحث جاری ہے۔ زیر نظر کتاب ''جدید انڈونیشیا میں شریعت وسیاست''، جیسا کہ اس کے عنوان سے واضح ہے، انڈونیشیا کے حوالے سے اس موضوع پر ایک اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب متعدد اہل علم کے مقالات پر مشتمل ہے، جسے ارسکل سلیم اور عظیم اردوی عذرا نے مرتب کیا ہے۔ سلیم سٹیٹ اسلامی یونیورسٹی جکارتہ کے شعبہ مطالعہ سیاست اسلامی میں استاد ہیں اور یونیورسٹی آف ملبورن، آسٹریلیا میں پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں۔ عذرا شریف ہدایت اللہ سٹیٹ اسلامی یونیورسٹی جکارتہ کے ریکٹر اور تاریخ کے استاد ہیں۔ انہوں نے کولمبیا یونیورسٹی سے ۱۹۹۲ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ یہ کتاب انسٹیٹیوٹ آف ساؤتھ ایشین سٹڈیز، سنگاپور کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب کے بارہ ابواب ہیں، جن میں آزادی سے پہلے انڈونیشیا میں قانون وسیاست کے باہمی تعلق کے ساتھ آزاد انڈونیشیا میں اسلامی حوالے سے ہونے والی قانون سازی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ''انڈونیشین قانون نکاح ۱۹۷۴ء''، ''مذہبی قانون ۱۹۸۹ء'' کو بطور خاص مطالعہ کا موضوع بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انڈونیشیا میں اسلامی قوانین کی تشکیل کے پس منظر میں موجود سیاسی محرکات، انڈونیشیا کا پہلا اسلامی بینک، انڈونیشیا کے نظام ریاست میں زکوٰۃ کی تنظیم بھی اس کتاب میں زیر بحث آنے والے اہم موضوعات ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انڈونیشیا میں اسلام مزاحمت کی ایک علامت کے طور پر اس وقت بھی موجود تھا جب انڈونیشیا ہالینڈ کی نوآبادیاتی تھا اور اس کے بعد ایک آزاد انڈونیشیا میں بھی اسلام اس حیثیت میں موجود ہے۔ انڈونیشیا میں شریعت کی تاریخ دراصل ایک غیر اسلامی یا اسلام مخالف سیاسی نظام میں ایک مناسب مقام کے حصول کی جدوجہد سے عبارت ہے (صفحہ ۳۴)۔ ۱۸۸۲ء تک یہاں شریعت کو بہت کم اہمیت حاصل تھی اور پھر ۱۹۳۷ء میں تو مزید کم ہوگئی۔ ۱۸۸۵ء کی دہائی سے لے کر دوسری جنگ عظیم تک، ایک نوآبادیاتی ریاست کے ارباب حل وعقد میں، یہ بحث جاری رہی کہ اسلام کی معاشرتی وسیاسی سطح پر کیا حیثیت ہے اور قانون بالخصوص ''عادت'' کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ عادت کے حامیوں کی دلیل یہ تھی کہ انڈونیشیا کے مسلمان اگر ''بدعتی'' مسلمان نہیں تو بہرحال برائے نام مسلمان ضرور ہیں۔ ان کی رائے کی بنیاد یہ ہے کہ انڈونیشیا کا اسلام کسی نصاب یا کتاب پر مبنی نہیں (Non-Sculptural) ہے، خاص طور پر سماجی رسوم کے حوالے سے۔ اس ضمن میں وراثت کے مسئلہ کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام کے حامی یہ رائے رکھتے تھے کہ عالم اسلام میں ہر جگہ اسلام ایک مقامی رنگ لیے ہوئے ہے لہٰذا مذہب کے غیر نصابی اظہار سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مسلمان برائے نام (Nominal) مسلمان ہوگیا ہے۔

بعد میں جاپانی دور اقتدار میں حکمرانوں نے اسلام کو ریاست میں اہمیت دی اور ۱۹۴۵ء سے اسلام انڈونیشیا کی سیاسی زندگی کا ایک بنیادی رکن ہے۔ جہاں تک ریاستی اور قانونی امور کا تعلق ہے تو ہالینڈ نے ۱۸۸۲ء میں نوآبادیاتی مذہبی عدالتی نظام کے تحت ایک قانون بنایا۔ اس قانون کی بنیاد پر جو ۱۹۳۷ء میں تشکیل نو کے مرحلہ سے گزرا، جاوا، مادورا، بنجرماسن اور جنوبی بورنیو کے ملحقہ علاقوں میں مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۵۷ء میں، آزادی کے بعد انڈونیشیا کی حکومت نے قانون سازی کرتے ہوئے اس نظام کو سارے ملک تک پھیلا دیا۔ ۱۹۸۹ء کی اصلاحات تک اس قانون کے تحت مذہبی عدالتیں قائم ہوتی رہیں۔ جوہری طور پر یہ قانون طریقہ کار ہی سے متعلق رہا اس کی اکثر شقیں یہ بیان کرتی تھیں کہ عدالتی اہلکاروں کی تعیناتی کیسے ہوگی اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہوں۔ شریعت کے ضروری اصولوں کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ مذہبی عدالتوں کا یہ نظام دراصل سیکولر (غیر مذہبی) بنیادوں پر ترتیب دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں شریعت کا عملی نفاذ ممکن نہ ہوسکا۔ سیکولر طریقہ کار کی بناء پر اس بات کا کوئی امکان نہ رہا کہ قدیم فقہ کے اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس طرح گواہی کے فقہی قوانین تو مکمل طور پر خارج کر دیے گئے۔ ۱۹۳۷ء میں مذہبی عدالتوں کے دائرہ کار کو مزید محدود کر دیا گیا۔ خاص طور پر جہیز اور نکاح وطلاق کے مسائل میں۔

لین دین کے دیگر دعوے تو ویسے ہی سول عدالتوں کے ماتحت تھے۔ آزادی کے بعد حکومت نے یہ طے کر دیا کہ جائیداد کے معاملات میں شریعت کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس کی وجہ سے کئی مسائل نے جنم لیا جو بدستور موجود ہیں۔ مثال کے طور پر عائلی معاملات، خاص طور پر زرعی سماج میں، جائیداد اور زمین سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔ ۱۹۷۰ء میں عدالتی اتھارٹی کے قانون کے تحت سپریم کورٹ کو یہ حق دے دیا گیا کہ وہ مذہبی عدالتوں پر اور عدالتی نظام کے ہر حصے پر فوقیت رکھتی ہے۔

آزادی کے بعد مذہبی عدالتوں کی کارکردگی کے حوالے سے دو امور اہم ہیں: ایک تو یہ کہ ان عدالتوں پر جو مصنوعی پابندیاں عائد کی گئیں، انہیں اکثر نظر انداز کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے مذہبی عدالتوں نے فتاویٰ کی بنیاد پر فیصلے دیے۔ قدیم فقہی روایت میں فتویٰ ایک رسمی اہمیت کا حامل ہے۔ انڈونیشیا کے تناظر میں، دیہی اور زرعی زندگی کے حوالے سے، فتوے نے ایک قانونی حیثیت اختیار کر لی۔ دوسرا یہ کہ کسی باضابطہ قانونی دفعات کی غیر موجودگی کے باعث طلاق کے عمل میں عدالتوں نے ''شدید اختلاف'' کے معاملہ کی اجتہادی سطح پر تعبیرات کیں۔ کلاسیکی فقہ میں ''شقاق'' حاکم اور میاں بیوی کے مابین ثالثی کا ایک عمل ہے اور طلاق کا حق بہرحال مرد ہی کو حاصل ہے۔ تاہم ۱۹۸۹ء کے بعد مذہبی عدالتوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ ''شقاق'' بیوی کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ طلاق کے لیے مذہبی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ اس طرح عورتوں کو یہ حق میسر آ گیا کہ وہ عدالت کے ذریعے طلاق حاصل کر سکتی تھیں جبکہ کلاسیکی فقہ میں اس مسئلہ کا کوئی حل موجود نہیں ہے۔ یہ دراصل مذہبی عدالتوں پر عائد غیر ضروری پابندیوں کا ردعمل تھا۔

آسٹریلیا میں قومی یونیورسٹی میں قانون کے استاد ایم بی ہوکر کا خیال ہے کہ یہ صورت حال ہمیں حضائرن (Hazairin) کی اس تجویز کی طرف متوجہ کرتی ہے جو ۱۹۶۰ء کی دہائی میں پیش کی گئی تھی۔ اس کے تحت ایک انڈونیشین فقہ کی تشکیل کو ضروری قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اگر اسے ایک حوالے سے یہ ناممکن دکھائی دیتا ہے یہ خیال کچھ قانونی ضرورت کے تحت دیکھا جائے تو جائے تو یہ خیال کچھ نہیں رہتا۔

ریاستی سطح پر نفاذ اسلام کے حوالے سے ایک اہم قدم جنوری ۱۹۴۶ء میں وزارت مذہبی امور کا قیام ہے۔ اس وزارت کے تحت نکاح وطلاق، مذہبی عدالتوں کی تنظیم اور وقف کے امور کی تنظیم سازی کی گئی اس کے نتیجے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی انتظامی حیثیت میں اضافہ ہوا۔

۱۹۹۱ء میں تدوین احکام اسلام کے قانون کو بھی اس ضمن میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی حیثیت کسی قانون کی نہیں بلکہ یہ ایک ہدایت نامہ ہے جو قابل نفاذ قوانین کے لیے ججوں سے متعلق ہے جسے انہوں نے مذہبی انصاف کے اداروں کے حدود کار کے دائرے میں، دائر شدہ مقدمات میں اختیار کرنا ہے۔ قابل نفاذ قوانین کے لیے بطور ماخذ پانچ ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے:

۱- فقہ شافعی کی مصدقہ کتب

۲- دیگر مذاہب کی کتب (اضافی)

۳- موجودہ قوانین

۴- علماء کے فتاویٰ

۵- دیگر ممالک کے حالات ونظائر

اس تدوین کے تین حصے ہیں: نکاح وطلاق، وراثت اور وقف۔

اس کتاب کا ایک اہم باب انڈونیشیا کی سیاست میں فتویٰ کے کردار پر ہے (باب ۹: نادر شاہ حسین)۔ بیسوی صدی کے آغاز تک یہاں اجتہاد علماء کے ہاں ایک انفرادی عمل تھا۔ ۱۹۲۵ء کے بعد ہمیں انڈونیشیا میں اجتماعی اجتہاد کا تصور ملتا ہے۔ ۱۹۲۶ء روایتی علماء نے ایک جماعت ''نہضۃ العلما'' قائم کی اور اس کے پہلے اجتماع ہی سے فتاویٰ کی روایت کا آغاز ہوگیا۔ ایک دوسری جدت پسند تنظیم ''محمدیہ'' جو ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی، اس کے ہاں ۱۹۲۷ء تک فتویٰ کی روایت نہیں ملتی اس سال اس جماعت کے زیر اہتمام ایک مجلس ترجیح قائم کی گئی جس نے مذہبی معاملات میں اسلامی قانون کے تحت رائے دینا شروع کی۔ ۱۹۷۵ء میں مجلس العلماء انڈونیشیا قائم ہوئی۔ اس میں روایت اور جدت پسند، دونوں طرح کے علماء موجود ہیں جو متفقہ فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔

انڈونیشیا کے اجتماعی فتویٰ کے حوالے سے دو امور ایسے ہیں جو اسے منفرد بناتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ تنظیم فتویٰ جاری کرنے سے پہلے ایک اجلاس منعقد کرتی ہے جس میں اس تنظیم کے علماء شریک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بوقت ضرورت دیگر سکالرز حضرات کو بھی مدعو کیا جاتا ہے دوسرا یہ کہ فتویٰ میں کثرت ہوتی ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک معاملہ میں مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک سے زیادہ آراء سامنے آئیں۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک تنظیم صوبائی سطح پر ایک فتویٰ دے رہی ہو اور وہی مرکزی سطح پر کوئی دوسرا فتویٰ جاری کر رہی ہو۔ علماء کے فتویٰ نے انڈونیشیا کی سیاست کو کئی طرح سے متاثر کیا ہے مثال کے طور پر ہالینڈ سے آزادی کی جدوجہد کے حق میں علماء

نے فتویٰ دیا اور اسے جہاد قرار دیا۔ آزادی کے بعد مختلف حکومتی فیصلوں کے حوالے سے بھی فتوے دیے گئے۔ یہ فتوے کبھی حکومت کے حق میں گئے اور کبھی مخالفت میں۔ مثال کے طور پر نہضۃ العلماء، محمدیہ اور مجلس علماء تینوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں فتویٰ دیا جس سے حکومت کی بہبود آبادی کی حکمت عملی کو فائدہ پہنچا۔ دوسری طرف غیر شادی شدہ جوڑوں کے کنڈوم کے استعمال پر علماء نے مخالفانہ فتوے دیے۔ اس طرح رؤیت ہلال کے مسئلہ پر بھی علماء نے حکومتی موقف سے اختلاف کیا۔

زیر نظر کتاب کا ایک اہم باب اس سوال سے بحث کرتا ہے کہ معاصر انڈونیشیا میں اسلامی اقدار کی کیا اہمیت ہے اور اس ضمن میں حکومتی و ریاستی سطح پر مختلف طبقات کا کیا رویہ ہے (صفحہ ۱۹۳ تا ۲۱۳)۔ اس باب کے مصنف Howard Federspeil نے سب سے پہلے جس طبقے کا ذکر کیا ہے اسے ''محافظ'' کا نام دیا ہے۔ اس میں منصب صدارت، افواج اور وزارت امن وامان وغیرہ شامل ہیں۔ یہ طبقہ دراصل اس نظام کا محافظ ہے جسے ''نیا نظام'' کہا جاتا ہے اور جو ''پنشیلا'' پر مبنی ہے۔ یہ پانچ اصول جو صدر سوئیکارنو نے دیے، ۱۹۴۵ء کے آئین کی اساس ہیں۔ ان میں اللہ پر ایمان، انسانیت، قومیتیں، جمہوریت اور سماجی انصاف شامل ہیں۔ یہ محافظ ان اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے ریاست کو دو خطرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں: ایک تو انڈونیشیا کی کمیونسٹ پارٹی کے اثرات سے جو ۱۹۶۰ء کی دہائی میں بہت سرگرم رہی۔ دوسرا خطرہ انہیں دائیں بازو کے انتہا پسند مسلمان گروہوں سے ہے۔ یہ ریاست کو ان دو دشمنوں سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ محافظ اسلام کے مخالف نہیں بلکہ معاشرتی سطح پر ایک اخلاقی ڈھانچہ کی تشکیل کے حوالے سے اسے اہم سمجھتے ہیں۔ نئے نظام کے تحت انڈونیشیا میں صرف پانچ مذاہب کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام، کیتھولک عیسائیت، پروٹسٹنٹ عیسائیت، ہندوازم اور بدھ مت۔

یہ محافظ اسلام کے نام پر ہونے والی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں بھی شک میں مبتلا رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں جن سے یہ سرگرمیاں ایک خاص دائرے سے بڑھنے نہ پائیں۔ مسلمانوں کو ایک مذہبی گروہ کے طور پر وہ اس بات کی آزادی دیتے ہیں کہ وہ اپنی مذہبی ذمہ داریاں آزادی سے سرانجام دیں۔ اس حوالے سے مذہبی عدالتوں کے کردار کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

دوسرا طبقہ وزارت منصوبہ بندی اور وزارت خزانہ، مالیات جیسے اداروں پر مشتمل ہے جسے مصنف نے ''ٹیکنو کریٹس'' کا نام دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ تر مغرب سے تعلیم یافتہ ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مغرب کے معاشی وسیاسی نظام کو انڈونیشیا کی معاشرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختیار کر لینا چاہئے۔ اس ضمن میں انہیں مسلمانوں کے خیالات سے زیادہ سروکار نہیں ہے، جیسا کہ معاشی نظام میں سود کا معاملہ ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جسے ''اہل تعلیم'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ محکمہ تعلیم وغیرہ سے متعلق لوگ ہیں یا وہ جو سماجی بہبود کے شعبہ میں مصروف ہیں۔ یہ قومی زبان بھاشا کی بنیاد پر ایک نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے مصروف کار ہیں۔ اگرچہ انڈونیشیا کے تعلیمی نظام میں عیسائی نمایاں ہیں لیکن مسلمان بھی کم نہیں ہیں۔ مسلمان اور عیسائی گروہ نجی حوالے سے بھی تعلیم کے شعبہ میں بہت کام کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں محمدیہ کا کام بہت اہم ہے، دوسری طرف روایتی علماء کا زیادہ کام مذہبی شعبے میں ہے۔ حکومت کا چوتھا طبقہ وزارت مذہبی امور اور اس سے متعلق اداروں پر مشتمل ہے۔ اس نظام کے تحت اہم ترین تعلیمی نظام ''پسنترن'' کہلاتا ہے جو انڈونیشیا میں اسلامی رہائشی تعلیمی اداروں کا سب سے بڑا نجی نظام ہے جسے حکومتی تائید ونصرت حاصل ہے، نظام ہے۔ یہاں عربی زبان کی تدریس کے ساتھ اسلامی علوم پڑھائے جاتے ہیں جن میں فقہ شافعی کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور ادارہ ''قومی اسلامی تعلیمی ادارہ'' ہے جو

> کتاب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انڈونیشیا میں اسلام مزاحمت کی ایک علامت کے طور پر اس وقت بھی موجود تھا جب انڈونیشیا ہالینڈ کی نوآبادیاتی تھا اور اس کے بعد ایک آزاد انڈونیشیا میں بھی اسلام اس حیثیت میں موجود ہے۔ انڈونیشیا میں شریعت کی تاریخ دراصل ایک غیر اسلامی یا اسلام مخالف سیاسی نظام میں ایک مناسب مقام کے حصول کی جدوجہد سے عبارت ہے

اسلامی تعلیم کے لیے اساتذہ وغیرہ تیار کرتا ہے۔ انڈونیشیا کے مضبوط قومی ریاست کے تصور کے باوجود یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ریاست اسلامی اقدار کے ساتھ مطابقت رکھ سکتی ہے۔ وزارت مذہبی امور کے مسلمان اہل کاروں کے لیے مقدس قانون کو جو اہمیت حاصل ہے وہ حکومت کے کسی دوسرے شعبہ میں حاصل نہیں۔ یہ قانون شریعت اور توحید کے اصولوں پر مبنی ہے۔

ان چار حکومتی رویوں کے ساتھ اس کتاب میں اسلامی قانون واقدار کے حوالے سے اہل دانش وسکالرز کے رویوں کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو نوآبادیاتی دور میں انڈونیشیا کی آزادی کے لیے سرگرم رہا اور پھر اس کی آزادی کے بعد بھی مصروف کار ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو غیر مسلم ہے اور جو انڈونیشیا کے بطور قومی ریاست اقدار کا مطالعہ کرتا ہے اور اسلام کو محض ایک کلچرل عامل کے طور پر دیکھتا ہے۔ اسی طرح کا ایک گروہ ''سنٹر فار سٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز'' کے نام سے منظم ہے جو انڈونیشیا کی خارجہ پالیسی کو موضوع بنائے ہوئے ہے۔ مسلمان اہل دانش کا ایک طبقہ اپنے طور پر اسلام کو انڈونیشیا کی نسلی زندگی میں ایک غالب عنصر کے طور پر پیش کرتا رہا ہے۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں یہ اگس سلیم کی مرکزیت میں کام کرتے رہے اور ۱۹۴۰ء، ۱۹۵۰ء کی دہائیوں میں محمد ناصر کے گرد۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی

میں مسلمان اہل دانش کی ایک تحریک ابھری جو انڈونیشیا کی معاشی، سماجی اور سیاسی ترقی کے لیے کام کر رہی ہے۔ یہ تحریک ۱۹۹۰ء میں آکر جزوی طور پر حکومت سے وابستہ انڈونیشین سکالرز ایسوسی ایشن کا حصہ بن گئی۔ اس ایسوسی ایشن کے قیام سے پہلے مسلمان اہل دانش جو اس مقصد کے لیے مصروف کار تھے وہ زیادہ تر نوجوان اور متوسط عمر کے تھے۔ وہ یونیورسٹی آف شکاگو، یونیورسٹی آف الینائس جیسے اداروں سے تعلیم یافتہ تھے۔ یہ لوگ ایک طرف اسلام کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے تھے اور دوسری طرف اسلام کے مطالعہ میں ان تجزیاتی طریقوں کو استعمال کرتے تھے جو انہوں نے مغرب سے سیکھے۔ تقویٰ اور توحید کی مرکزیت پر کھڑا یہ گروہ شریعت پر عمل درآمد کو ضروری سمجھتا تھا۔ ان لوگوں کے لیے ماضی کے مقابلہ میں معاصر دنیا کے مسلمان علماء بالخصوص ڈاکٹر فضل الرحمٰن، اسماعیل فاروقی، محمد ارکون اور سید حسین نصر کے افکار وخیالات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح انفرادی حیثیت میں سرگرم نورخالص مجید اور امین رئیس جیسے لوگ بھی اپنے اثرات رکھتے ہیں۔ جو اصولی طور پر اس طبقے سے متعلق ہیں۔ یہ لوگ موجودہ ریاستی نظریہ کو قبول کرتے ہیں تاہم ان کا کہنا ہے کہ اسلامی اقدار کی زیادہ شمولیت سے اس نظریے کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ نور خالص مجید اور عبدالرحمٰن واحد جیسے اہل علم اسلامی اقدار اور ریاستی پالیسی کے مابین زیادہ سے زیادہ اشتراک کے قائل ہیں۔ اس گروہ کے ساتھ اہل علم کا ایک طبقہ وہ ہے جس نے مشرق وسطیٰ سے تعلیم حاصل کی۔ یہ شریعت کو نسبتاً روایتی مفہوم میں لیتے ہیں۔ یہ حضرات مصری مصنفین احمد شلتوت اور المراغی کا زیادہ حوالہ دیتے ہیں اگرچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

عوامی سطح پر بھی اسلامی اقدار کے ساتھ وابستگی اور تعلق کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک رویہ وہ ہے جو غیر مسلموں کا ہے اور یہ انڈونیشیا کی آبادی کے پندرہ سے بیس فیصد پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کے خلاف ہیں کہ ریاستی وسماجی معاملات میں اسلام کے عمل دخل میں اضافہ ہو۔ یہ احساس عیسائیوں میں شدید تر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں میں بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں میں اسلام کے ساتھ وابستگی کا تعلق اس بات سے ہے کہ وہ کس سماجی طبقے سے متعلق ہیں، ان کا تعلیمی پس منظر کیا ہے یا سیاسی شناخت کون سی ہے۔ مثال کے طور پر اسلامی فرائض وذمہ داریوں کے بارے میں اپیچ کے لوگ زیادہ باعمل ہیں اور جاوا کے لوگ کم۔ دینی مدرسے کے قریب رہنے والے اسلام سے زیادہ وابستہ ہیں اور شہری آبادی کے لوگ اس حوالے سے نسبتاً کم حساس ہیں۔ علاقائی کلچر کی تعمیر میں ''عادت'' (سماجی روایات) کو آج بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مشرقی اور وسطی جاوا میں نقطۂ نظر کے اختلاف کے باعث مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین تاریخی دشمنی رہی جس میں خون خرابے کے واقعات بھی ہوئے۔ سیاسی طور پر عام آدمی ''محافظ'' طبقے کے پیچھے چلتا ہے اور ریاست کی ان بنیادوں کو مانتا ہے جو پنشیلا سے ماخوذ ہیں۔ گولکر وہاں کی مقبول ترین سیاسی جماعت ہے جو اسلام مخالف نہیں تو غیر اسلامی ضرور ہے۔ تاہم وہ مساجد کی تعمیر، رمضان میں زکوٰۃ کو جمع کرنے جیسے امور کو اہمیت دیتی ہے۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو بطور شہری اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بطور مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ تر نہضۃ العلماء اور محمدیہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسی طرح ایک گروہ احیائی مسلمانوں کا ہے جو مطالعہ قرآن وحدیث پر بہت توجہ دیتے ہیں اور اپنی اسلامی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے سنجیدہ ہیں۔ پچھلے سالوں میں ان کے وابستگان کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ آبادی کا ایک مختصر حصہ ایسے مسلمانوں پر مشتمل ہے جو انفرادی اور عائلی وخاندانی سطح پر اسلامی قانون کے اتباع کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایک بنیاد پرست مسلمان احمد حسن (متوفی ۱۹۵۸ء) کی کتاب ''سوال وجواب'' ان لوگوں میں آج بھی بے حد مقبول ہے جو ۱۹۳۰ء میں لکھی گئی۔ اس طرح ایک اور کتاب ''چالیس مسائل'' بھی بہت پڑھی جاتی ہے۔ ان میں روزمرہ نجی وعائلی مسائل کے بارے میں اسلامی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے انڈونیشیا میں سیاسی، سماجی، قانونی اور ریاستی سطح پر اسلام کے کردار کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ چونکہ سیاست وشریعت اس کا اصل موضوع ہے، اس لیے اس حوالے سے زیر بحث آنے والے مباحث کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کتاب میں چار ضمیمے بھی شامل ہیں: پہلا ضمیمہ انڈونیشیا کا ریاستی قانون نمبر ا برائے نکاح: ۱۹۷۴ء، دوسرا ریاستی قانون نمبر سات برائے مذہبی قانون سازی: ۱۹۸۹ء، تیسرا انڈونیشیا کا صدارتی فرمان نمبر ا برائے تدوین احکام اسلام: ۱۹۹۱ء اور چوتھا حکومتی قانون نمبر ۲۸ برائے وقف (زمین) مع حق ملکیت: ۱۹۷۷ء پر مشتمل ہے۔

(تلخیص وتبصرہ: عبدالحفیظ)